Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انتظار حُسین کی ترجمہ نگاری

INTIZAR HUSSAIN'S TRANALSTIONS

قربان علی
پی ایچ۔ڈی اُردو(اسکالر)، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد امجد عابد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور

Abstract
In respect of non fiction prose Intizar Hussain has performed remarkable achievenments but an other authentic refrence of him about translation. He also tralnslated Novels, Short Sotories and Dramas of Russian, American, Indian and Palestanine literature. In addition to this he has also introduced John Dewey's Reconstruction of Philosophy, Mao-tse Tung's autobiography and Abdul Jabbar Danner's book "The Islamic Tradition" after translation. His translations reflect peculiar style of writings. Furthermore, his translations are a testament of his smoothness and fluency. This article throws light on Intizar Hussain's translations.

Key Words: Intizar Hussain, Novel, Fiction, Autobiography, Drama, Translation, Contemporary literature, smoothness and fuluency.

اُردو کلیدی الفاظ: انتظار حسین، معاصر ادب، ناول، افسانہ، سوانح عمری، ڈراما، ترجمہ نگاری، سلاست، روانی

ترجمہ ادب کی ایک ایسی صنف ہے، جس نے ایک زبان کے ذخیرے کو دوسری زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو بو علی سینا، ابن رشد، ابو نصر فارابی، سقراط اور افلاطون ایسے حکما کے خیالات ساری دنیا کی مشترکہ فکری میراث نہ بنتے۔ اُردو ادب کی بات کی جائے تو اس زبان کی ترقی میں ترجمہ نگاری نے ہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی نہیں، بل کہ ترجمے کی بہ دولت دنیا میں اُردو کو تیسری بڑی زبان کا درجہ مل گیا ہے۔ اس زبان نے مختلف زبانوں کا سرمایہ اپنے اندر سمو لیا ہے اور آج اس میں ہر اصطلاح کا متبادل دست یاب ہے۔ اُردو میں ترجمے کا عمل بڑی تیزی سے جاری ہے۔ ترجمے کی روایت بیان کرنے سے قبل اس کی تعریف واضح کی جائے تو بہتر ہو گا۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں ترجمہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"The action or process of truning from one language into an other language.(1)

فرہنگ آصفیہ میں ترجمہ سے مراد ہے:

"ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔" (۲)

ترجمے کا عمل اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں مقامیت کی حدیں عبور کی جاتی ہیں اور پوری دنیا کو اس میں شامل کیا جاتا ہے۔ ترجمہ ایک ایسا پُل بن جاتا ہے، جو دو ملکوں کی تہذیب و ثقافت کو ملانے کا اہم فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ ترجمے میں صرف متبادل اور مترادفات پر زور نہیں دیا جاتا، بل کہ اس میں موجود روز مرہ محاورات، تشبیہات و استعارات اور کنایات کو بھی قابلِ مطالعہ بنانا ہوتا ہے۔ مترجم کے لیے کچھ صلاحیتیں ضروری ہیں، اگر اس میں یہ صلاحیتیں موجود نہ ہوں تو وہ کام یاب مترجم نہیں بن سکتا۔

اہلِ یونان ترجمے کی اہمیت سے بہ خوبی آگاہ تھے ابتدا میں وہ اسے تخلیق کے ہم پلہ سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر عربوں کی بات کی جائے تو انھوں نے اس ترجمے کے لیے ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا، جس کا مقصد دنیا کے علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنا تھا، یہی وجہ ہے کہ عربوں اور یونانیوں کا سرمایہ ادب ایک دوسرے کی زبان میں تبدیل ہوتا رہا اور وہ دونوں قومیں ترقی کی منازل طے کرتی گئیں۔ اُردو ادب میں ترجمے کا آغاز فورٹ ولیم کالج سے ہوا۔ اس ادارے کی وساطت مشہور کتابوں کے اُردو ترجمے ہوئے، جن کی بہ دولت اُردو کو فروغ ملا۔ بعض نقادوں نے ترجمے کو ناپسند بھی کیا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ ترجمے کا سلسلہ مزید تقویت پکڑتا رہا۔ اُردو ادب میں اشفاق احمد، حسن عسکری، شان الحق حقی، عابد علی عابد، سعادت حسن منٹو، ابن انشا، محمد عمر میمن، عزیز احمد، سلیم صدیقی، مولانا عبدالمجید سالک، جاوید شاہین اور انتظار حسین ایسے ادیبوں نے اپنے ترجموں کی بہ دولت نام پیدا کیا۔ انتظار حسین نے ناول، کہانی، ڈراما، سوانح اور دیگر تصنیفات کے کام یاب تراجم کیے ہیں۔

انتظار حسین نے تراجم کا آغاز ناول سے کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے سب سے پہلے روس کے مشہور مصنف ایوان سیر گوچ تورگنیف کے ناول "Fathers & Sons" کا ترجمہ "نئی پود" کے عنوان سے کیا۔ اس ناول کا ہیرو بازاروف اپنی انکار پسندی کی بدولت انقلاب پسندوں کے لیے طنز کا نشانہ بنتا ہے، مگر بعد میں آنے والی نسل نے اس ہیرو کو بہت زیادہ سراہا اور اپنے مزاج کا آئینہ دار قرار دیا۔

"نئی پود" میں انتظار حسین نے اصل کتاب کی بعینہ پیروی نہیں کی، بل کہ اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ جب قارئین اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ الجھن کا شکار ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ خاکہ نگاری میں انتظار حسین کا قلم بڑا رواں ہے۔ وہ جب کسی شخصیت کا حلیہ سامنے لاتے ہیں تو نہایت لطیف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ "نئی پود" ناول کے ہیرو بازاروف کی حلیہ نگاری کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ حقیقت کا روپ دھار چکی ہے۔ ایوان ترگینف نے بازاروف کے خدوخال کا جو نقشہ کھینچا ہے، انتظار حسین نے اس میں مزید رنگ بھر دیا ہے۔ اس حوالے سے دونوں کتابوں کی متنی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"Yevgeny vassilive", Bazarav answred in a deep drawl and, opening the caller of his coat, unmuffled his face, long and thin, with a high forehead, wide-bridged pointed nose, large greenish eyes and droping Sand colored Sideburns, his face was envlivened by a peaceful smile and reflected self-confidence and itelligence."(3)

"یوگین وسل یوچ" بازاروف کی آواز تھی توڈھیلی ڈھالی، لیکن اس میں مردانہ پن ضرور جھلک رہا تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کے کھڑے کالر کو پلٹا اور یوں نکولائی پیئروچ کو اس کا پورا چہرہ دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ چہرہ لمبوترا اور سونتا ہوا تھا۔ چوڑی پیشانی، بڑی بڑی سبزی مائل آنکھیں، ناک ابتداء میں تو چپٹی ہی تھی لیکن نوک پہ جا کر نوکیلی ہو گئی تھی۔ مونچھیں بھورے رنگ کی تھیں اور نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں چہرے سے خود اعتمادی اور ذہانت ٹپکتی تھی اور وہ آسودہ مسکراہٹ مستزاد جس نے پورے چہرے کو لودے دی تھی۔"(۴)

"سُرخ تمغہ" انتظار حسین کا دوسرا ترجمہ شدہ ناول ہے۔ ۱۸۹۵ء میں ایک امریکی ادیب سٹیفن کرین نے جنگی صورت حال سے متعلق "The Red Badge of Courage" کے عنوان سے ایک ناول لکھا۔ جس کا ترجمہ انتظار حسین کے مرہون منت ہے۔ اس ناول کے شائع ہوتے ہی کرین ادبی حلقے میں سراہا جانے لگا۔ اس کے علاوہ عوامی سطح پر بھی اسے بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ ترجمہ کرتے وقت مصنف کو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ قابلِ مطالعہ بھی ہے یا گنجلک اور نامانوس ہے، کیوں کہ اگر ترجمہ مشکل ہو گا تو عام قارئین کی سمجھ سے بالاتر ہو گا۔ لہٰذا انتظار حسین نے اس معاملے میں سادگی کو رواں رکھا ہے۔ وہ قاری کی شعوری سطح، ادراک اور مزاج سے پوری طرح واقف ہیں۔ لہٰذا ان کے ترجمے میں سلاست اور شگفتگی نظر آتی ہے، جس کی ایک مثال یہاں ملاحظہ ہو:

"He lay down in the grass. The blades pressed tenderly against his cheek. The moon had been lighted and was hung in a treet top. The liquid stillness of the night enveloping him made him feel vast pity for himself."(5)

"وہ گھاس پر لیٹ گیا۔ گھاس کی نرم نرم پتیاں اس کے رخسار کو مس کر رہی تھیں۔ چاند نکل آیا تھا اور ایک درخت کی پھننگ میں لٹکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ رات کے نرم سکوت نے کچھ اس انداز سے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا کہ اسے اپنے آپ پر ٹوٹ کر ترس آنے لگا۔"(۶)

انتظار حسین نے ترجمے میں ایسی مہارت برتی ہے کہ جنگ کا خوف قاری پر بھی طاری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک پل کے لیے خود کو میدان جنگ میں پاتا ہے۔ جنگ میں سپاہیوں کی حالت زار سے متعلق لکھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ سٹیفن کرین نے جس طرح دہشت کے مناظر پیش کیے ہیں، انتظار حسین کا قلم ان کا ترجمہ کرتے ہوئے کہیں بھی نہیں ڈگمگایا، بل کہ انھوں نے اسلوب میں ایسی چاشنی پیدا کر دی ہے کہ اسے بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔

انتظار حسین نے انتون چیخوف کے ناول "The Steppe" کا ترجمہ "گھاس کے میدانوں میں" کے عنوان سے کیا ہے یہ ایک مختصر کہانی ہے جس کا شمار چیخوف کی ابتدائی کہانیوں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ناول سیپتی کے بے رونق میدانوں اور کھیتوں کے مناظر کو عیاں کرتا ہے، لیکن انتظار حسین کے قلم نے اس میں وہ سروسامانی پیدا کر دی ہے کہ قارئین اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مذکورہ ترجمہ میں مصنف کے اصل لہجے کی کھنک واضح نظر آتی ہے۔ نیز اس ترجمے میں مقامی رنگ بھی جلوہ فگن ہے۔ اس حوالے سے ایک پیراگراف ملاحظہ ہو:

"جولائی کے دن تھے۔ صبح سویرے منہ اندھیرے ایک ٹم ٹم بے سُرنگ کی، طوفانِ نوح سے پہلے کے وقتوں کی، کہ بیٹھنے والوں کی ہڈی پسلی ایک کر دے نون نام والی بستی سے کہ ض نامی ضلع کی صدر بستی ہے ٹخ ٹخ کرتی کھڑکھڑاتی نکلی اور باہر جانے والی سڑک پہ پڑی۔ بیوپاری، غریب پادری گامے مانجھے، روس میں تو اب بس یہی لوگ اس سواری میں بیٹھتے ہیں تو یہ ٹم ٹم کھڑکھڑ کرتی چرخ چوں چرخ چوں کی آوازیں نکالتی چلی جا رہی تھی۔ پیچھے بندھا ڈول بھی سر میں سر ملا رہا تھا یہ آوازیں اور ادھر اندر کا پٹھا پرانا پراناستر، باہر لٹکتے چیتھڑے گوڈرے یہ سب مل کر چغلی کھا رہے تھے۔" (۷)

انتظار حسین نے ٹم ٹم، ٹخ ٹخ، گامے مانجھے، کھڑکھڑ، چرخ چوں، چیتھڑے گوڈرے ایسے الفاظ برت کر جہاں صوتی تکرار پیدا کیا ہے، وہاں یہ الفاظ اس بات کا منہ بولتا ثبوت بھی ہیں کہ وہ دیگر زبانوں کے ادب کو اپنی زبان میں ڈھالنا خوب جانتے ہیں اور یہی زبان مقامی رنگ سے مزین نظر آتی ہے۔ ٹم ٹم کی حالت زار کو رقم کرنے میں مصنف نے مرقع نگاری کا سہارا لیا ہے، لیکن دورانِ ترجمہ اس امر کا خیال رکھا ہے کہ یہ قارئین کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔ یعنی اس سلسلے میں انھوں نے آسان لفظوں کو مدِ نظر رکھا ہے۔ علاوہ ازیں انتظار حسین کے ترجمے کی خاص بات نفسِ مضمون پر مکمل گرفت ہے وہ اصل عبارت کے حُسن کو مجروح نہیں ہونے دیتے بل کہ اس میں مزید مہمیز لگاتے ہیں اور ان کا ترجمہ انگریزی ترجمے کے بجنسہ نظر آتا ہے۔ جس کی مثال ملاحظہ ہو:

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"A hawk flew just above the ground, with an even sweep of its wings, suddenly halted in the air as though pondering on the dreariness of life, then fluttered its wings and flew like an arrow over the steppe, and there was no telling why it flew off and what it wanted. In the distance a wind mill waved its sails ...."(8)

"اوپر بلندیوں میں ایک چیل اپنے لہراتے بازوؤں کے ساتھ تیرتی چلی جارہی ہے۔ تیرتے تیرتے اچانک تھم جاتی ہے جیسے اسے جینے کی لغویت کا دھیان آگیا ہو۔ پھر اپنے بازوؤں کو جنبش دیتی ہے اور تیر کی سنسناتی اڑتی چلی جاتی ہے کہ کون جانے وہ کیوں اڑ رہی ہے اور کیا چاہتی ہے۔ دُور فاصلہ پر پون چکی کے پر گردش میں ہیں۔"(۹)

"The Secret Life of Saeed" ناول ایک عرب ادیب ایملی حبیبی کا شاہ کار ہے یہ پہلی بار ۱۹۷۴ء میں حیفہ سے شائع ہوا۔ بعد ازاں اس کے دو ایڈیشن انگریزی میں منظرِ عام پر آئے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ سلمٰی خضری جیوسی نے کیا۔ پہلا انگریزی ترجمہ ۱۹۷۴ء میں ہوا، جب کہ دوسرا ترجمہ ۱۹۸۵ء میں سامنے آیا۔ انتظار حسین نے اس دوسرے ایڈیشن کا ترجمہ اُردو میں کیا اور اس کا نام "سعید کی پُراسرار زندگی" رکھا، جسے انجمن ترقی اُردو نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ اس ناول میں قنوطر جائی سعید کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

کسی بھی زبان کے ترجمے میں جزئیات کا ہونا بہت ضروری ہے، کیوں کہ ترجمے میں قارئین کے لیے ہر فقرہ وضاحت طلب ہوتا ہے۔ جزئیات سے مترجم اصل تصنیف کے نزدیک پہنچ جاتا ہے۔ انتظار حسین نے "سعید کی پراسرار زندگی" میں وہ انداز اپنایا ہے کہ ہر واقعہ جزئیات سے لپٹا نظر آتا ہے۔ اس ناول کا اہم کردار سعید ہے، انتظار حسین نے سعید کو اُردو ترجموں میں ایک مشہور کردار بنا دیا ہے۔ وہ اس کی ہر حرکت کو بڑی عمدگی سے بیان کرتے ہیں اور ہمیں لگتا ہے کہ یہ ترجمہ ان کی اصل تصنیف ہے، کیوں کہ اس کا رواں اسلوب انتظار حسین کی ایک خاص پہچان ہے۔ "سعید کی پراسرار زندگی" میں انتظار حسین نے چھوٹے چھوٹے جملے بنائے ہیں اور یہی جملے ترجمے کی اضافی خوبی تصور کیے جاتے ہیں۔

ترجمے میں استعداد کا عمل بہت اہم تصور کیا جاتا ہے اور وہ صرف ایسا شخص ہی کر سکتا ہے، جس میں غیر معمولی صلاحیت موجود ہو۔ ترجمے کا ترجمہ بعض اوقات اس سطح پر پہنچ جاتا ہے کہ اصل تصنیف کی جھلک اس میں نظر نہیں آتی۔ "سعید کی پراسرار زندگی" ناول چوں کہ پہلے عربی میں لکھا گیا، جب کہ خضری جیوسی نے اسے انگریزی میں ترجمہ کیا، لیکن انتظار حسین نے اس ترجمے میں مصنف کے اسلوب سے پہلو تہی نہیں برتی۔ خضری جیوسی کے ترجمے کا عکس انتظار حسین کے ترجمے میں نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے دونوں ترجموں کے پیراگراف ملاحظہ ہو:

"My mother is also a pessoptimist. My older brother used to work at the port of Haifa. One day a strom blew up and over turned the crane he was operating, throwing them both on the rocks and down in to the sea. They collected his remains and brought them to us. Neither his head nor his insides could he found."(10)

"میری ماں بھی قنوطر جائی واقع ہوئی ہے۔ میرا بڑا بھائی حیفہ کی بندر گاہ پر کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن طوفان آیا اور جس کرین کو وہ چلا رہا تھا اُسے اوندھا دیا اُسے اور کرین دونوں کو طوفان نے چٹان پر اور چٹان سے سمندر میں ڈھکیل دیا لوگوں نے اس کی لاش سمندر سے نکالی اور ہمارے پاس لائے۔ لاش سمندر سے اس طرح برآمد ہوئی تھی کہ نہ اس کا سر دستیاب ہوا تھا نہ اندر کی کوئی چیز سلامت تھی۔" (۱۱)

"سعید کی پراسرار زندگی" انتظار حسین کا ایک ایسا ترجمہ ہے، جس میں انھوں نے زبان کی عمدگی سے ایک مشکل ناول کو آسان بنا دیا ہے۔ انتظار حسین نے عطیہ حسین کے ناول "Sunlight on a Broken Column" کا ترجمہ "شکستہ ستون پر دھوپ" کے عنوان سے کیا ہے اور یہ انتظار حسین کا آخری مترجم شدہ ناول ہے۔ یہ ناول لکھنؤ کے ایک تعلقہ دار گھرانے کی داستان ہے، جو اپنے پرکھوں کی تہذیب اور وراثت کا امین تھا۔

انتظار حسین نے سلاست اور سادگی کے ذریعے مذکورہ ترجمے کو جان دار بنا دیا ہے، کیوں کہ اگر ترجمہ سلیس نہ ہو تو پھر اصل کتاب پڑھنے میں کیا دقت ہے۔ مزید براں انھوں نے انگریزی کے طویل فقروں کو چھوٹے فقروں میں تقسیم کیا ہے، تاکہ مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ انتظار حسین جب کسی تاریخی حوالے کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں ان کی زبان تخیل سے عاری نظر آتی ہے۔ ان کا مقصد قارئین کے لیے آسانی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ زیرِ نظر پیراگراف جتنا سہل ہے، اُس کا ترجمہ بھی اسی قدر آسان ہے:

"After his release Asad went back to Delhi and resumed his educational work among the poor, but after the riots in the autumn of 1946 he left to work in the eastern riotstricken areas, and by that winter, after the congress had accapted office in the interim Goverment, he was drawn into political work in Delhi."(12(

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"رہائی کے بعد اسد واپس دلی چلا گیا اور غریب لوگوں میں اپنا تعلیمی کام شروع کر دیا۔ لیکن جب ۱۹۴۶ء کے خزاں کے مہینوں میں فسادات ہوئے تو اس کے بعد وہ فساد زدہ مشرقی علاقوں کی طرف نکل گیا اور وہاں فلاحی کام شروع کر دیا۔ پھر جب کانگریس نے عبوری حکومت میں شامل ہونا منظور کر لیا تو واپس دلی آ کر اس نے سیاسی کام شروع کر دیا۔" (۱۳)

تراجم کے سلسلے میں انتظار حسین کی دیگر تصنیف "ناؤ اور دوسری منتخب کہانیاں" ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۵۸ء میں آئینہ ادب لاہور سے شائع ہوا۔ مذکورہ ترجمے میں مصنف نے چار امریکی ادیبوں کی چار کہانیاں شامل کی ہیں۔ اس کے علاوہ انتظار حسین نے امریکن ادیبہ ایلس ڈیگلیش کی کہانی "Caourge of Sarah Noble" کا ترجمہ "سارہ کی بہادری" کے عنوان سے کیا ہے۔ سارہ اس کہانی میں ایک بلند ہمت لڑکی کے روپ میں سامنے آتی ہے، جسے مختلف خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر وہ بہادر ثابت ہوتی ہے۔ انتظار حسین جب کسی خوف ناک منظر کو پیش کر رہے ہوتے ہیں تو ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں کہ مصنف کے لہجے کی کھنک برقرار رہے۔ بچوں کی کہانیوں میں دہشت، سنسنی خیزی اور دیدہ دلیری کے واقعات اکثر و بیش تر پائے جاتے ہیں، مگر ہر مترجم ان کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتا، لیکن انتظار حسین کی زبان میں وہ مٹھاس موجود ہے کہ وہ ایسے واقعات کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں، جو اصل مصنف سے مسابقت رکھتی ہے۔ اس حوالے سے ایک پیراگراف ملاحظہ ہو:

"اب پھر وہی آوازیں آنی شروع ہوئیں جو جنگل میں راتوں کو آیا کرتی ہیں۔ سارہ لیٹی رہی اور سنتی رہی۔ سوچو کہ اس وقت
اسے ڈر لگ رہا تھا یا وہ ہمت باندھ رہی تھی۔
اندھیرے میں ایک ٹہنی ہلی۔
"اباجان!"
"سارہ کیا بات ہے؟"
سارہ بولی۔ اباجان گھبرانے کی بات نہیں میں جانوں کوئی الّو ٹہنی سے گر پڑا ہے۔" (۱۴)

"سارہ کی بہادری" انتظار حسین کا ایسا ترجمہ ہے، جس میں مصنف نے اصل کتاب کے حُسن کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اس کے علاوہ قاری کی شعوری سطح کا بھی خیال رکھا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ ایک منفرد ترجمہ ہے، جس میں کئی فنی اصول کار فرما نظر آتے ہیں۔ انتظار حسین نے امریکن ادیب وائلڈر تھارنٹن کے ڈرامے "Our Town" کا ترجمہ "ہماری بستی" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار اُردو اکیڈمی سندھ کے زیرِ اہتمام ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ مذکورہ ڈرامہ تین ایکٹ پر مشتمل ہے۔ "ہماری بستی" میں مصنف نے جس اصول و ضوابط کی پابندی پر عمل کیا ہے۔ وہ اصل متن کو کار بند رکھنا ہے۔

انتظار حسین نے Lmperical & oagani whole infinitesmials, super eternal, super جیسی اصطلاحات کے تراجم لاتیجزات، فوق الابد، فوق التجربی اور کل نامی کے عنوان سے کیے ہیں، جو معنی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں عربی اور فارسی کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، مگر اس کے باوجود ترجمے کی جامعیت ضرور برقرار ہے۔ مزید براں مصنف نے incongruity کا ترجمہ نامطابقت کیا ہے، جب کہ اس کا معنی نقص ہے۔ اسی طرح وہ aversion کا ترجمہ نفرت کی بجائے تنافر کے لفظ سے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں Vicarious کا ترجمہ متبادل بنتا ہے، مگر وہ اس کے لیے نعم البدل کا انتخاب کرتے ہیں۔ مزید براں Ture Reality کا ترجمہ وہ حقیقت صادقہ کرتے ہیں، جب کہ عام طور پر اسے سچی حقیقت کے لفظوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ Cults کا ترجمہ وہ اعتقادات کے عنوان سے کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے فرقوں اور مسلک ایسے لفظ زبان زدہ عام ہیں۔ ایسے بیشتر الفاظ اس ترجمے میں موجود ہیں، جن کے معنی انتظار حسین نے تبدیل کر دیئے ہیں، لیکن وہ مغائرت محسوس نہیں ہوتے۔ انتظار حسین نے جان ڈیوی کی تصنیف " Reconstruction of Philosophy" کا ترجمہ "فلسفے کی نئی تشکیل" کے عنوان سے کیا ہے۔ انتظار حسین نے مذکورہ تصنیف میں اصل متن سے موافقت پیدا کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے جملوں بعض اوقات پیچیدہ بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ترجمے میں تشریحی انداز جزئیات کو پھٹکنے نہیں دیتا۔ یہ تشریحی انداز عموماً کم ترجموں میں نظر آتا ہے۔ ادب میں تو اس کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی، کیوں کہ اس میں روز مرّہ محاوروں سے مفہوم کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے، جب کہ فلسفہ اور دیگر علوم میں تشریحی انداز زیادہ مدلل ثابت ہوتا ہے۔ انتظار حسین کے تشریحی انداز کی جھلک ملاحظہ ہو:

"Philosophy starts from some deep and wide way of responding to the difficulties life presents, but it grows only when material is at hand for making this paractical response conscious, articulate and communicable. "(15(

"جب زندگی کی پیدا کی ہوئی مشکلات کے بارے میں ایک عمیق و وسیع طرز کا ردِ عمل ظاہر ہو تو یہاں سے فلسفے کا آغاز ہوتا ہے لیکن وہ فروغ اسی صورت میں پاتا ہے کہ اس عملی قسم کے ردِ عمل کو شعوری، ناطق اور قابل ابلاغ بنانے کے سامان موجود ہوں۔" (۱۶)

انتظار حسین کا یہ تخیل سے بالکل مستثنیٰ نظر آتا ہے، کیوں کہ افسانوی ادب میں ایک زبان کی روح کو دوسری زبان میں مدغم کیا جاتا ہے اور ایسا صرف تخیل کی بہ دولت ممکن ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسے ہم تخلیقی ترجموں کی فہرست میں بھی شامل نہیں کر سکتے۔ تخلیقی ترجمے میں معنی اور اظہار کی مختلف صورتیں موجود ہوتی ہیں۔ فلسفہ اور دیگر سائنسی علوم کے ترجمے میں مرکزی خیال، سیاق و سباق اور مجموعی تاثر کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر مترجم کے ہاتھ سے مرکزی خیال اور دیگر لوازمات چھوٹ جائیں تو ترجمہ بیگانیت کا شکار ہو

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جاتا ہے، لیکن انتظار حسین کے ترجمے کی اہم بات یہ ہے کہ وہ مرکزی خیال کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور اپنے دل کش الفاظ کی بہ دولت اسے قارئین کے لیے پُر کشش بناتے ہیں۔ "فلسفے کی نئی تشکیل" میں مفہوم کی ادائیگی میں جو روانی موجود ہے، وہ ترجمے کو قابلِ رشک بنا دیتی ہے۔ اس حوالے سے ایک پیرا گراف ملاحظہ ہو:

"Poetry, art, religion are precious things they cannot be maintained by lingering in the past and futilely wishing to re store what the movements of events in sicence, industry and politics has destroyed." (17)

"شاعری، آرٹ، مذہب گراں قدر چیزیں ہیں۔ انہیں یوں تو برقرار نہیں رکھا جا سکتا کہ ماضی میں بھٹکتے رہیں اور بے سود ان دونوں کی واپسی کی دعا کرتے رہیں جو سائنس، صنعت اور سیاست کے طفیل رخصت ہو چکے ہیں۔"(۱۸)

"فلسفے کی نئی تشکیل" انتظار حسین کا ایسا ترجمہ ہے، جس میں تصرف کا عمل دخل بالکل بھی نہیں ہے۔ اس کا اطلاق افسانوی ادب پر نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، لیکن اگر زبان کی بندش، فقروں کی عمدگی اور متن کی وضع کا ذکر کیا جائے تو انتظار حسین کا یہ ترجمہ ان اوزان پر صادق آتا ہے۔ عام طور پر فلسفے کی کتابوں کا ترجمہ کرنا خاصا کٹھن کام ہے اور یہ کہ ومہ اس کام کے لیے رضامند نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کے لیے زبان کی لطافت، باریک بینی اور مہارت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ انتظار حسین کی زبان میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ غایت موجود ہیں۔

سٹیورٹ شرئم نے ماؤزے تنگ کی سوانح عمری نے "The Political thought of Mao-Tse-Tung" کے عنوان سے قلم بند کی ہے۔ انتظار حسین نے اس کا ترجمہ "ماؤزے تنگ" کے نام سے کیا ہے۔ انتظار حسین کے لیے مذکورہ تصنیف کا ترجمہ آسان کام نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا میدان افسانوی ادب ہے، جس میں وہ کھل کر اپنے خیالات سے ترجمے کو مزین کرتے ہیں، یعنی اس کی اصل روح ترجمے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ "ماؤزے تنگ" میں وہ تشریحی انداز کو اپناتے ہیں یوں اکثر عنوانات طوالت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ ایک تصنیف کو پیش نظر رکھتے تو ترجمے میں اختصار پیدا ہو سکتا تھا، لیکن ماؤ ایک ایسا آدمی تھا، جس کے بارے بہت زیادہ لکھا گیا۔ چین میں اس کے بغیر تاریخ مکمل نہیں ہوتی، مگر انتظار حسین اس تصنیف میں اپنے مزاج کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ڈاکٹر آصف فرخی لکھتے ہیں:

"آزاد قلم صحافی کے طور پر انتظار حسین نے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ حالاں کہ یہ ان کے ادبی مزاج اور فکری دلچسپی سے کم مناسبت رکھتی ہے۔ بہر حال، اس کتاب کی اپنی ایک اہمیت ہے۔" (۱۹)

انتظار حسین کا یہ ترجمہ زبان کی سلاست اور روانی کا مظہر تو ثابت ہوتا ہے، مگر یہ ان کی تخلیق کے زمرے میں شمار نہیں ہو سکتا۔ دیگر تراجم کا جب قارئین مطالعہ کرتے ہیں تو وہ انتظار حسین فنی خوبیوں سے متاثر ہوتے ہیں اور انھیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان کی اصل تخلیق کا مطالعہ کر رہے ہیں، کیوں کہ وہاں ان کا اسلوب اساطیری نظر آتا ہے، جب کہ مذکورہ ترجمہ اس اسلوب سے تہی دکھائی دیتا ہے۔ ماؤ کے متعلق تحریروں میں سے اہم موضوعات کا انتخاب سب سے بڑا مسئلہ تھا، مگر انتظار حسین نے اس سلسلے میں سٹیورٹ شریم کی تصنیف کو زیادہ اہمیت دی ہے اور اسے اصل زبان کے ہم پلہ بنا دیا ہے۔ "ماؤزے تنگ" میں جزئیات کا استعمال اکثر کیا گیا ہے، کیوں کہ مذکورہ تصنیف میں یہ لازم تھا ورنہ اکثر واقعات اوجھل ہو جاتے۔ جزئیات کے حوالے سے ایک پیرا گراف ملاحظہ ہو:

"آٹھ برس کی عمر سے ماؤ نے ایک روایتی طرز کے پرائمری سکول میں جانا شروع کیا۔ وہاں لڑکے کنفیوشس کا کلام سمجھے بغیر سنانے کی مشق کیا کرتے تھے۔ اپنی عمر کے سب چینی طلباء کی طرح ماؤ نے بھی اس خشک مشغلہ میں ناول پڑھنے کا شوق شامل کر لیا تھا۔ اصل میں یہ وہ مقبول عام داستانیں تھیں جو کسی زمانے میں سنائی جاتی تھیں لیکن چند صدی اُدھر انھیں قلمبند کر کے مرتب کر لیا گیا تھا۔ وہ یہ کتابیں پڑھتا رہتا اور جب اُستاد اُس کے پاس سے گزرتا تو وہ انہیں کسی کلاسیکی کتاب کے نیچے چھپا دیتا۔" (۲۰)

انتظار حسین کے ترجموں میں ایک بات سب سے نمایاں ہے کہ وہ زبان کی قومی اور تہذیبی روایات کو فراموش نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں متن کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسا ترجمہ مصنف کے اسلوب کی عکاسی کرتا ہے۔ انتظار حسین نے مذکورہ ترجمے میں اگرچہ محاورات کے استعمال سے اجتناب برتا ہے، مگر تحریر میں ایسے جان دار الفاظ شامل کیے ہیں کہ ان میں ایک ادبی شان نظر آتی ہے۔ مذکورہ ترجمے میں انتظار حسین نے بیانیہ انداز سے واقعات کو عیاں کیا ہے۔ بیانیہ انداز کسی کہانی کو بیان کرنے کے لیے اہم متصور ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے قارئین تک اصل حقائق پہنچ جاتے ہیں، نیز وہ اس میں زیادہ دل چسپی لیتے ہیں۔ بیانیہ انداز سے متعلق ایک پیرا گراف ملاحظہ ہو:

"وہاں میں بغاوت ہوتے ہی انقلابیوں کا ایک اپلچی چانگ شا کے اسکول میں پہنچا جہاں ماؤ پڑھتا تھا اور اس نے قومی جذبہ میں رچی ہوئی ایک پُر جوش تقریر کی ماؤ اس تقریر سے اتنا متاثر ہوا کہ چند دنوں کے بعد وہ وہاں جا کر انقلابی فوج میں شامل ہونے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ تیار ہی ہو رہا تھا کہ خود چانگ شا میں انقلاب برپا ہو گیا اور پھر وہ وقت آیا جب ماؤ شہر میں ایک ٹیلے پر کھڑا تھا اور باغیوں کو فاتحانہ شان سے بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔"(۲۱)

"ماؤزے تنگ" انتظار حسین کا ایسا ترجمہ ہے جس میں ان کا داستانوی اسلوب تو کہیں نظر نہیں آتا مگر آسان اور مناسب الفاظ سے یہ ترجمہ قارئین کی ذہنی سطح کے نزدیک تر ہے۔ ایک سوانحی ترجمے میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے مذکورہ ترجمے میں ان کی جھلک موجود ہے۔ لہٰذا اسی بناء پر یہ انتظار حسین کا اہم شاہ کار ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے سوانح کے ترجموں کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انتظار حسین نے عبدالجبار ڈیز کی کتاب "The Islamic Tradition" کا ترجمہ "اسلامی روایت" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اسلامی روایات میں انتظار حسین نے طویل اور مختصر جملوں کے سلسلے میں اصل مصنف کے انداز کو مدِ نظر رہے۔ اس کے علاوہ اس ترجمے کی ایک خوبی بامحاورہ ہونا ہے۔ اگر یہ بامحاورہ نہ ہوتا تو قارئین کو موضوعاتی سطح پر دشواری کا سامنا کرنا پڑتا اور اس فعل کو ترجمے میں پسند نہیں کیا جاتا۔ انتظار حسین کے بامحاورہ ترجمے کی مثال زیرِ نظر پیراگراف میں ملاحظہ ہے:

> "In its origins, Islam had no civilizational under pinnings, nor could, it have had, what with its homadic culture and the harash realities of the desert in northern Arabia. Further to the South, in the Yemen, there had been a kind of urban culture, a heterogeneious civilization that seemed to draw from the various paganisms of the near East." (22)
>
> "ابتداء میں اسلام کو کسی طرح کا تہذیبی سہارا حاصل نہیں تھا، ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ شمالی عرب کی اپنی صحرائی صعوبتیں تھیں اور ایک خانہ بدوش قسم کی ثقافت تھی۔ جنوب میں یمن کے علاقے میں ایک طرح کی شہری ثقافت ضرور تھی، ایک دورنگی قسم کی تہذیب جس نے مشرق قریب کی مختلف بت پرست تہذیبوں سے فیض حاصل کیا تھا۔" (۲۳)

"اسلامی روایت" انتظار حسین کے تراجم میں وہی قدر و منزلت رکھتا ہے، جو دیگر تراجم کی ہے، کیوں کہ اسلامی موضوعات کو رقم کرنے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ترجمے میں ایسے الفاظ تو شامل نہیں کیے گئے، جن پر اعتراض کی گنجائش موجود ہو۔ چناں چہ مصنف نے اس سلسلے میں بڑی احتیاط برتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ عموماً نقائص سے مبرا ہے چوں کہ ترجمہ ایک مشکل مرحلہ ہے کیوں کہ اس میں مترجم کو اصل کتاب کے اسلوب کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے اور ذاتی اسلوب میں بھی جاذبیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ قارئین مغائرت محسوس نہ کریں۔ انتظار حسین ترجمے کے اصولوں سے بہرہ مند نظر آتے ہیں۔ ناولوں کے تراجم میں وہ مقامی حدوں کو چھو لیتے ہیں۔ جب کہ دیگر تراجم دوسری زبانوں سے اُردو میں متعارف کے گئے ہیں۔ ترجمہ در ترجمہ کا یہ عمل عموماً اصل تصنیف سے انصاف نہیں برتا مگر ان کے متراجم میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جن میں اصل تصنیف کا عکس نظر آتا ہے۔ بات کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انتظار حسین میں مترجم کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ وہ جس کتاب کا ترجمہ کرتے ہیں۔ اس میں اپنی تخلیق کی رونق پیدا کر دیتے ہیں اور قارئین ان سے کماحقہ محظوظ ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

.1 The Oxford English Dictonary Vol. XI, by JohnSon, Britian, University Press Oxford, 1933, Page No. 226

۲۔ احمد دہلوی، سیّد، فرہنگ آصفیہ، جلد اوّل، لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء، ص ۴۱

.3 Barbara Makanowitzky, Translated Fathers & Sons by Ivan Turgenev London Bantam Books, 1981, Page No. 5

۴۔ انتظار حسین، نئی پود، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰

.5 Stephen Crane, The Red Badge of Courage. Published The Modern Library, New York, 1925, Page No. 31

۶۔ انتظار حسین، سرخ تمغہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۳۲

۷۔ انتظار حسین، پیش لفظ، گھاس کے میدانوں میں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۴

.8 Anton Cheknow, The Steppe and other Stories Translated by Ronald Hingely, Published by Oxford University Press, Page No. 15

۹۔ انتظار حسین، گھاس کے میدانوں میں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۱۶

.10 Salma Khadra Jayyusi, The Secret Life of Saeed. Published by John Hopkin Universty Press, 2009, Page No. 5

۱۱۔ انتظار حسین، سعید کی پراسرار زندگی، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۶ء، ص ۴۳

.12 Attia Hosain, Sunlight on a Broken Column. Published: Chatt & Windees London, 1961, Page No. 319

۱۳۔ انتظار حسین، شکستہ ستون پر دھوپ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۲۶

۱۴۔ انتظار حسین، سارہ کی بہادری، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء، ص ۲۷

.15 John Dewey, Reconstruction of Philosophy. Published by Henry Holt and Company, New York, 1920, Page No. 53

۱۶۔ انتظار حسین، فلسفے کی نئی تشکیل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۶۴

.17 John Dewey, Reconstruction of Philosophy. Published by Henry Holt and Company, New York, 1920, Page No. 53

۱۸۔ انتظار حسین، فلسفے کی نئی تشکیل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۷۸

۱۹۔ آصف فرخی، ڈاکٹر، چراغِ شبِ افسانہ: انتظار حسین کا جہانِ فن، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۳۱۵

۲۰۔ انتظار حسین، ماؤزے تنگ، لاہور: نگار شات، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷

.22 Abd-al-Jabbar Danner, The Islamic Tradition an Inroduction. Published by Institute of Islamic Culture Canore, Pakistan, 2001, Page No. 203

۲۳۔ انتظار حسین، اسلامی روایت، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء، ص ۳۸۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022